تبتّل الی اللہ سے مراد کارخانۂ قدرت سے مستغنی ہونا نہیں ہے

سچا صبر عبادت ہی کے ذریعہ سے نصیب ہوسکتا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 27 نومبر 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیت تلاوت کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ (البقرۃ:173)

پھر فرمایا:

یہ سورۃ البقرۃ آیت 173 ہے جس کی میں نے تلاوت کی ہے۔ اس کا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ: جو اللہ نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے طیّبات کھایا کرو۔ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ: اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ: اگر واقعۃً تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

یہاں كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کے دو ایسے واضح معانی ہیں جو پیش نظر رہنے ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے بہترین کھایا کرو۔ رزق میں ہر قسم کے رزق شامل ہیں، اور اچھا بھی، اور اَور بھی اچھا، اس سے بھی اچھا۔ تو یہ بات یہاں بہترین کے معنوں میں ہے جو پاکیزہ ہو، جو تازہ ہو، جس میں سے خوشبو آرہی ہو، صحت کے لئے مفید ہو۔ یہ ساری باتیں لفظ طَيِّبٰتِ کے تابع ادا ہوتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے ہر قسم کا رزق کھانے کی بجائے مومن کی شان یہ ہے کہ اس میں سے بہترین حصّہ کھائے۔

دوسری بات یہ ہے كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کہ مومنوں کو تو اللہ تعالیٰ طیب رزق ہی عطا فرماتا ہے اور یہاں طیب سے مراد ہے اس میں غیر اللہ کی کوئی ملونی نہیں، کسی غیر کا کوئی احسان شامل نہیں، ایسا پاکیزہ رزق ہے کہ جسے خالصۃً اللہ تعالیٰ نے مومن کو عطا فرمایا ہے اور اس کی کمائی کے پاکیزہ ہونے کی طرف ازخود اس میں اشارہ موجود ہے۔ اگر مومن کی کمائی پاکیزہ نہیں تو رزق کیسے پاکیزہ ہو جائے گا۔ گندی کمائی کا خریدا ہوا رزق خواہ بظاہر پاکیزہ ہو، دُنیا کا بہترین رزق بھی ہو مگر اگر گندی کمائی سے خریدا ہے تو اس کا اثر گندہ ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی برکت باقی نہیں رہتی۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ جو ہم نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے وہ طیّب ہے اور طیّب ہی رہنا چاہئے کیونکہ جو ہم عطا کرتے ہیں اس میں ناجائز کی ملونی نہیں ہوا کرتی۔ پس جو رزق تم کماؤ لیکن بظاہر تم کما رہے ہو اور پاک بھی ہو اگر رزق گندی کمائی سے کمایا گیا ہے تو وہ ہمارا رزق نہیں ہے پھر۔ یعنی اوّل پیدا تو خدا ہی کرتا ہے مگر وہ رزق نہیں جو بندوں کو دینا چاہتا ہے اس لئے بندوں کی نیتوں کی یا ان کے اعمال کی ملونی سے رزق گندہ ہو جایا کرتا ہے۔

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ: اور اللہ ہی کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ کا ہی شکر ادا کرو میں مضمون واضح ہے اور پہلی بات سے متعلق ہے کہ جب اللہ ہی عطا کرتا ہے اور سچا اور پاک رزق اللہ ہی دینے والا ہے تو پھر غیر اللہ کے شکر کی حاجت کوئی نہیں رہتی۔ کسی محسن کے حقیقی شکر کی حاجت نہیں رہتی۔ اگر کسی محسن کا شکر ادا کرنا ہے تو اللہ کے فرمان کے مطابق ادا کرنا ہے یعنی دنیا کے تقاضے بھی پورے کرنے ہیں تو محض اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تقاضے پورے کئے جائیں مگر دلوں کا رجحان خدا ہی کی طرف رہنا چاہئے اور حقیقی شکر اسی کا ادا ہونا چاہئے کیونکہ سب کچھ عطا کرنے والا اور سب پاکیزہ چیزیں عطا کرنے والا وہی ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ: اگر واقعۃً تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کی نفی کرتے ہو اور محض خدا کی خاطر اپنی زندگیوں کو ڈھالتے ہو، اپنی ساری طاقتیں اس کے حضور سربسجود کر دیتے ہو تو اس صورت میں پھر غیر اللہ سے ایک قسم کا انقطاع ہو جائے گا۔

تبتّل کے ایک معنی یہ بھی ہیں یا تبتّل کے زیادہ تفصیلی معنی اور گہرے معنی یہ بھی ہیں یعنی بیک وقت دُنیا سے علیحدگی مگر اس کے باوجود دنیا سے تعلقات اور جس رزق کا ذکر فرمایا جا رہا ہے انسان کما کیسے

سکتا ہے اگر وہ دنیا میں پڑ کے اس کے کام نہ ادا کرے۔ تو بہت ہی دلچسپ تعلقات ہیں یہ اس آیت میں شکر کے اور پچھلی آیت جو میں نے بیان کی تھی، پڑھی تھی تبتّل الی اللہ کی۔ اگر تبتّل الی اللہ کا یہ مطلب ہوتا کہ تمام دُنیا کے کاروبار سے ہٹ کر، بے نیاز ہو کر تم خدا ہی کی طرف کلیۃً ہو جاؤ، جھک جاؤ تو وہ رزق کہاں سے آئے گا جو تم نے خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ اگر دُنیا سے تعلقات ٹوٹنے کا مطلب ہے زندگی کے کاروبار سے الگ ہو جاؤ تو پھر تو انسان اس قابل ہی نہیں رہتا کہ خود کچھ کھا سکے یا اپنی بیوی بچوں کو کچھ کھلائے۔ تو کون سی طیّبات ہیں جو اسے حاصل ہونگی آسمان سے تو نہیں اتریں گی وہ اس طرح کہ چھپڑ پھاڑ کے اس کو کھانے مل رہے ہوں مگر یہ طیبات آسمان ہی سے اترتی ہیں۔ ایک عارف باللہ کو دکھائی دیتا ہے کہ خدا ہی نے سب کچھ اتارا ہے ان معنوں میں آسمان سے اترتی ہیں مگر دُنیا سے منہ موڑ کر الگ بیٹھنے والے کے لئے آسمان سے کچھ نہیں اترا کرتا اور دُنیا سے ان معنوں میں منہ موڑنا تبتّل نہیں بلکہ تکبّر ہے کیونکہ تکبّر ان معنوں میں کہ انسان سمجھتا ہے کہ میں نے جب دُنیا سے تعلق قطع کر لیا ہے تو اب اللہ کا فرض ہے کہ وہ مجھ پر اتارے اور جس طرح بھی ہے میرا رزق چلائے، اللہ کا فرض نہیں ہے۔ تبتّل خدا کی خاطر کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدا نے جو کارخانۂ قدرت جاری فرمایا ہے اس سے انسان مستغنی ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ کارخانۂ قدرت سے انسان بے نیاز ہو تو یہ تکبّر ہے۔ اس لئے اللہ کے سارے پاک بندے دُنیا کے کاروبار ضرور کرتے رہے اور کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں دنیا سے ایک تعلق تو رہتا ہے جو کاٹا جا ہی نہیں سکتا۔ اگر کاٹو گے تو یہ تکبّر ہے تبتّل نہیں ہے۔ یہ مضامین ہیں جن کو یہ دونوں آیات کلیۃً گھیر رہی ہیں یعنی وہ آیت جس کی میں نے پہلے تلاوت کی تھی وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۔ اور یہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔

اب اس تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس پڑھتا ہوں جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے کمال تبتّل پر دلالت کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے کیا تبتّل کیا، کس طرح دنیا سے کاٹے گئے، کس طرح خدا کی طرف الگ ہوئے، اس اقتباس کو پڑھ کر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کو ہر طرح سے کلیۃً چھوڑ دینے کا نام تبتّل ہے اور اس شبہ کے ازالے کی خاطر حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ہی بعض دوسرے اقتباسات میں نے اس کے بعد رکھے ہیں تا کہ وہ پڑھ کر اس تبتّل

کے تصور سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے وہ دور ہو جائے۔ ریویو آف ریلیجنز جلد اوّل صفحہ 183 پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان درج ہے۔

''آنحضرت ﷺ اس قدر خدا میں گم اور محو ہو گئے تھے کہ۔۔۔آپ کے وجود میں نفس اور مخلوق اور اسباب کا کچھ حصّہ باقی نہیں رہا تھا۔''

(ریویو آف ریلیجنز جلد 1 نمبر 5 صفحہ: 183، مئی 1902ء)

اگر نفس کا اور اسباب کا، جن اسباب کو اختیار کرنے کے ذریعے انسان کو رزق ملتا ہے اور اس کے مطالب حل ہوتے ہیں ان کا اور مخلوق کا، خدا تعالیٰ کی مخلوق کا بھی کوئی حصّہ نہیں رہا۔ اگر یہ ظاہری لفظوں پر محمول مطلب لیا جائے تو تبتّل کا وہ مضمون جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود دوسری جگہ بیان فرما رہے ہیں بالکل باطل ٹھہرے گا اور اللہ اور اس کے بندوں کے کلام میں کبھی تضاد نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے میں نے اسی مضمون کی وضاحت کی خاطر یعنی مزید وضاحت کی خاطر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات آج کے خطبہ میں سنانے کے لئے رکھے ہیں۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''انسان کا کمال بھی یہی ہے۔''

اور جب لفظ کمال کہا جائے تو سب سے اوّل نام رسول اللہ ﷺ کا ذہن میں اُبھرتا ہے کہ انسان کامل بھی وہی تھے اور کمال بھی انسان کامل ہی نے دکھایا تھا۔

''انسان کا کمال بھی یہی ہے کہ دنیوی کاروبار میں بھی مصروفیت رکھے۔''

یعنی یہ مضمون عام بھی ہے تمام انسانوں پر یکساں چسپاں ہو رہا ہے اس کی نفی نہیں مگر اس میں جو مرکزی اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے موجود ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے اقتباسات میں زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

''دنیوی کاروبار میں بھی مصروفیت رکھے اور پھر خدا کو بھی نہ بھولے۔ وہ ٹٹو کس کام کا ہے جو بروقت بوجھ لادنے کے بیٹھ جاتا ہے۔''

جب بھی اس پر بوجھ ڈالا جائے اس وقت بیٹھ جاتا ہے۔ جب بوجھ اتار دیا جائے تو خوب دوڑتا پھرتا ہے۔

''اور جب خالی ہو تو خوب چلتا ہے۔ وہ قابل تعریف نہیں۔''

یہاں کون سا بوجھ ہے جس کا ذکر فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ خدا کے ذکر کی خاطر ان معنوں میں ہلکا ہو جانا کہ وہ دُنیا کی ذمہ داریاں جو اللہ ہی نے اس پر ڈالی ہیں وہ اتار پھینکے اور پھر گویا ہلکا پھلکا ہو کے اللہ کی طرف دوڑے یہ ہرگز تبتّل نہیں۔ یہ اس ٹٹو والی بات ہے جس پر جب بوجھ ڈالو بیٹھ جائے گا جب اتار دو گے تو چل پڑے گا۔ پھر فرمایا:

''وہ فقیر جو دنیوی کاموں سے گھبرا کر گوشہ نشین بن جاتا ہے۔(اب دیکھیں کتنی بات واضح ہو گئی ہے) وہ فقیر جو دنیوی کاموں سے گھبرا کر گوشہ نشین بن جاتا ہے وہ ایک کمزوری دکھلاتا ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ ہم کبھی نہیں کہتے کہ عورتوں کو اور بال بچوں کو ترک کر دو اور دنیوی کاروبار کو چھوڑ دو۔ نہیں۔ بلکہ ملازم کو چاہئے کہ وہ اپنی ملازمت کے فرائض ادا کرے اور تاجر اپنی تجارت کے کاروبار کو پورا کرے لیکن دین کو مقدم رکھے۔''

یہ ہے تبتّل۔ ساری ذمہ داریاں دُنیا کی سرانجام دے اپنے اہل وعیال کی ذمہ داریاں بھی پوری طرح ادا کرے لیکن جہاں ان کا اللہ کی محبت سے ٹکراؤ پیدا ہو وہاں ان ذمہ داریوں کو اتار پھینکے اور اللہ کی محبت کو اختیار کر لے۔ اس مضمون کو مزید واضح فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

''اس کی مثال خود دُنیا میں موجود ہے کہ تاجر اور ملازم لوگ باوجود اس کے کہ وہ اپنی تجارت اور ملازمت کو بہت عمدگی سے پورا کرتے ہیں پھر بھی بیوی بچے رکھتے ہیں اور ان کے حقوق برابر ادا کرتے ہیں۔''

یہاں مراد یہ ہے کہ دُنیا کے شریف لوگ یہ کام کیا کرتے ہیں مگر جو شریف نہ ہوں وہ تو یہ کام نہیں کرتے اور آج کل ان کی اکثریت ہے۔ وہ دُنیا کمانے میں اتنا محو ہوتے ہیں کہ وہ دُنیا کی خاطر دُنیا کماتے ہیں نہ کہ بیوی بچوں کے حالات سدھارنے کی خاطر۔ اور نتیجۃً جس حد تک ان سے ممکن ہو بیوی بچوں سے الگ ہی رہتے ہیں۔ تو اس میں یہ مفہوم داخل ہے کہ دُنیا میں وہ لوگ جو ذمہ دار ہوں وہ یہ کرتے ہیں اس لئے دین میں وہ لوگ جو ذمہ دار ہیں ان کو یہ کرنا چاہئے کہ دُنیا کے لئے جو محنت کریں مقصد اعلیٰ ہی ہو کہ اللہ کی رضا کی خاطر وہ دُنیا کے کاروبار میں پڑے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس طرح کماؤں اس لئے میں اسے کماتا ہوں ورنہ اگر میں ہاتھ توڑ کر بیٹھ جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ

میرے لئے آسمان سے کوئی رزق نہیں اتارے گا۔ یہ مضمون ہے جس کو خوب اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے ورنہ ہمارے وہ مخلص احمدی جو یہ مضمون سنیں گے تو خطرہ ہوتا ہے بعض دفعہ کہ وہ سارا کاروبار چھوڑ کے گھر نہ بیٹھ جائیں۔ اگر وہ چھوڑ کے بیٹھ جائیں گے تو دین کے کام کون چلائے گا۔

''ایسا ہی ایک انسان ان تمام مشاغل کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حقوق کو ادا کر سکتا ہے اور دین کو دُنیا پر مقدم رکھ کر بڑی عمدگی سے اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔''

(بدر قادیان جلد 6 نمبر 11 صفحہ: 6 مؤرخہ 14 مارچ 1907ء)

اس کے بعد فرمایا:

''ہم یہ نہیں کہتے کہ زراعت والا زراعت کو اور تجارت والا تجارت کو، ملازمت والا ملازمت کو اور صنعت وحرفت والا اپنے کاروبار کو ترک کر دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ۔(النور:38) (کہ ان کو نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی سودا یا دُنیا کا کاروبار اللہ کے ذکر سے غافل کر سکتا ہے۔ فرمایا، یہ) والا معاملہ ہو۔ دست با کار دل با یار والی بات ہو۔''

کہ کام تو ہاتھ پر ہے اور دل یار کی طرف ہے۔ یہ جو صورت حال ہے اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ احمدی تاجر اور کاروبار کرنے والے کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں اور دُنیا میں بھی احمدی کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ اگر انسان دفتر میں بیٹھا کام ترک کر دے۔ کوئی پوچھے اس سے کیا کر رہے ہو؟ کہے کہ جی میں تو اللہ کو یاد کر رہا ہوں۔ وہ کہے گا پاگل میں نے تمہیں روٹی دی ہے رزق دیتا ہوں اس واسطے کہ تو نے میرا کام کرنا ہے اگر اس طرح اللہ کو یاد کرنا ہے تو گھر جاؤ، چھٹی کرو۔ تو یہ تو انتہائی بے وقوفی ہوگی۔ اگر یہ طریق کار جماعت اختیار کرنا شروع کرے تو ساری جماعت نکمی ہو کے گھر بیٹھ جائے گی۔ اس کے بالکل برعکس مضمون ہے۔

''دست با کار دل با یار'' یہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بہترین نسخہ عطا فرمایا ہے اور جو دست با کار رکھتا ہے اور دل با یار رکھتا ہے اس کا دست با کار ہونے میں جو مرتبہ اور مقام ہے وہ دُنیا میں دست با کار ہونے والے سے بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ وہ جب ہر لمحہ اللہ کو یاد کر رہا ہوتا ہے تو اللہ کا حکم ہے کہ جو کام کسی کا کرو امانت سے کرو، جو تمہیں دیا جائے اس کا پورا بدلہ اتارو،

اس کی پوری قیمت ادا کرو۔ اگر یہ کر رہا ہے تو جوں جوں اللہ کی طرف خیال جاتا ہے ساتھ ہی اس کے کام کی ذمہ داری کی طرف بھی خیال بڑھے گا، وہ کم نہیں ہوگا۔ اس کے نتیجہ میں احمدی ملازمین اور کاروبار کرنے والوں کی قیمت اور قدر دُنیا کی نگاہ میں بڑھتی ہے، کم نہیں ہوتی اور ایسے معاملات اکثر میرے سامنے آتے رہتے ہیں۔ بعض نوجوانوں نے بتایا کہ جب ہم شروع میں انٹرویو دے رہے تھے تو انٹرویو لینے والے نے کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھائی مگر چونکہ کامیاب ہو گئے تھے اس لئے ہمیں ملازمت دے دی لیکن جب ملازمت کے بعد مالکوں نے دیکھا، کہ بے حد ذمہ داری سے کام کرتا ہے یہ شخص، ایسی ذمہ داری سے اور کوئی ایسا نہیں کرتا۔ تو دن بدن ہماری قدر بڑھتی رہی اور اس کے نتیجے میں ہمیں ترقیات بھی جلد جلد ملنی شروع ہو گئیں۔ یہ جو مضمون ہے بہت پھیلا ہوا ہے جماعت احمدیہ عالمگیر پر برابر اطلاق پا رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تبتّل کے نتیجہ میں آپ کے رزق کم نہیں ہوئے بلکہ بہت بڑھ گئے ہیں۔ یہ تبتّل ہے جس کو اختیار کئے رکھیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے اموال میں بہت برکت پڑے گی اور جو اس طرح اللہ کے ذکر سے اموال بڑھیں وہ تو ویسے ہی بابرکت ہوتے ہیں۔ ان کا تھوڑا بہت ہوتا ہے لیکن وہ تھوڑا رہتا نہیں۔ اللہ اس تھوڑے کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ پس یہ خدا کی راہ میں برکت کا مضمون ہے۔ فرمایا:

> ''تاجر اپنے کاروبارِ تجارت میں اور زمیندار اپنے امورِ زراعت میں اور بادشاہ اپنے تختِ حکومت پر بیٹھ کر غرض جو جس کام میں ہے اپنے کاموں میں خدا کو نصب العین رکھے اور اس کی عظمت اور جبروت کو پیش نظر رکھ کر اس کے احکام اور اوامر اور نواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے۔ (محاورہ ہے) اللہ سے ڈر اور سب کچھ کر۔''

(الحکم جلد 12 نمبر 49، 50 صفحہ: 3، 4 مؤرخہ 26، 30 اگست 1908ء)

تو یہ محاورہ آپؑ نے استعمال فرما کر اس محاورہ کے صحیح معنی بھی ہمیں سمجھا دئے۔ بعض جہلاء اس کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتا رہ اور پھر جو مرضی کرتا چلا جا، ہر قسم کی بے حیائیاں، ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہو جا مگر یاد رکھنا اللہ سے ضرور ڈرنا۔ اللہ سے ڈرنا کیسا ہوا۔ اگر خدا کے احکامات کی نافرمانی واضح طور پر ہو رہی ہے اور انسان اس کے نتیجہ میں حیا کی بجائے بے حیائی میں بڑھ رہا ہے تو اسے اللہ سے ڈرنا نہیں کہتے مگر بعض صوفیاء نے یہ بھی معنی لیا ہوا ہے اور اس کے نتیجہ میں دُنیا کو بہکا دیا ہے۔ اللہ سے ڈر

کا مطلب ہے اللہ کا حقیقی خوف رکھ اور اس کے فرمان کے مطابق عمل کر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اس کے احکام اور اوامر اور نواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے۔'' اس دائرہ کار کے اندر تمہیں کھلی چھٹی ہے مگر اوامر و نواہی کے دائرہ کار کے اندر چھٹی ہے اس سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے اندر رہتے ہوئے کشادگی اختیار کرو، لذتیں دُنیا کی جس حد تک خدا جائز قرار دیتا ہے وہ حاصل کرو تو سب اللہ کی طرف سے عطا کردہ رزق ہوگا۔

اسی مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دو شعروں میں یوں بیان کرتے ہیں:

سب خیر ہے اِس میں کہ اُس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اُسی کو یارو، بُتوں میں وفا نہیں

دل اللہ سے لگاؤ تبتّل اس کی طرف کامل ہو اور ''ڈھونڈو اسی کو یارو'' اسی کو ڈھونڈو۔ اس میں ایک پیغام ہے جس کو ہمیں اچھی طرح پیش نظر رکھ کر اپنی زندگیاں ڈھالنی چاہئیں۔ ''ڈھونڈو اسی کو یارو بتوں میں وفا نہیں'' اگر اس سے دل لگایا ہے تو اس کو پھر ڈھونڈنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے کئی مطالب ہیں جو آج کل جماعت احمدیہ کے حالات پر بھی چسپاں ہو رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے دل نہ لگایا ہو تو دُنیا کی مصیبتیں جماعت کیسے برداشت کر سکتی ہے تو یہ دل لگانا ایک اعتقادی دل لگانا ہے یعنی عقیدہ میں یہ بات داخل ہے اور اس عقیدہ سے یقیناً دل مطمئن ہیں کہ اللہ ہی ہے اور اللہ کی خاطر اگر تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں تو اٹھانی پڑیں گی۔ اس سے دل تو اسی کی طرف تھا اگر دل اس سے نہ لگا ہوا ہوتا تو انسان دُنیا سے تبتّل کیسے کرتا۔ ''پھر ڈھونڈو اسی کو یارو'' اسی کو ڈھونڈو، مطلب یہ ہے کہ تمہارے عقیدہ نے، تمہارے دماغ نے اس کو قبول کر لیا ہے لیکن اس کو اپناؤ بھی تو سہی، اس کو اپنا بنا کر رہو، اپنے قریب لانے کی کوشش کرو اور اس کے لئے جیسے ایک عشق میں دیوانہ اپنے محبوب کو ڈھونڈتا ہے اس طرح دیوانہ وار اس کی تلاش کرو اور اس تلاش میں مجنوں کا سمندر ہے جو سامنے آتا ہے، صحراؤں، جنگلوں کو چھانتا پھرتا تھا لیلیٰ کی تلاش میں، اس تلاش میں وہ تو کامیاب نہ ہو سکا اور اسی حال میں بھٹکتے ہوئے اس نے جان دے دی مگر جس لیلیٰ کی تلاش حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود کرتے تھے اور اسے حاصل کر لیا اسی لیلیٰ کی تلاش کی طرف آپ کو بھی تو بلا رہے ہیں۔ ''ڈھونڈو'' کا معنی ہے کہ وہ لیلیٰ ہے جس کو تم ڈھونڈو گے تو وہ تمہاری طرف تمہاری تلاش کے مقابل پر زیادہ تیزی

سے آئے گی۔ یہ وہ محبوب ہے جو اپنے ڈھونڈنے والے کی طرف اس کی رفتار سے بہت زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے۔ پس اسے ان معنوں میں ڈھونڈو، اس سنجیدگی کے ساتھ ڈھونڈو، اس کامل یقین کے ساتھ ڈھونڈو کہ اگر میں اس کی طرف گیا تو وہ میری طرف زیادہ تیزی سے آئے گا اور بعینہٖ یہی مضمون ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا مختلف طریق پر ہم پر کھولا ہے۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ کر دی: ''بتوں میں وفا نہیں'' اس کو ڈھونڈو ورنہ دنیا میں جو دل لگانے والے ساتھ لگے رہتے ہیں وہ تم سے بیوفائی کریں گے اور جب وہ چھوڑ کر چلے جائیں گے تو پھر نہتّے اور خالی اور حسرت زدہ رہ جاؤ گے اور اسی بتوں سے دل لگانے کے مضمون کو اب ایک ڈرانے کے لحاظ سے بھی کھول دیا ہے، یہ جو فرمایا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور پھر جو مرضی کرو یہ ڈر کن معنوں میں ہے۔

اِس جائے پُرعذاب سے کیوں دل لگاتے ہو
یہ دنیا تو حقیقت میں عذاب کی جا ہے۔ دیکھنے میں خوبصورت، دلکش مگر وہ بُت ہے جو وفا نہیں کیا کرتے۔
دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سرا نہیں

(رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان جلد 3 نمبر 13 صفحہ: 485، ماہ دسمبر 1908ء)

یہ دنیا تو ایک دوزخ ہے اس کے پیچھے جتنا بھاگو گے، جتنا اس کی طلب کرتے چلے جاؤ گے ایک آگ سی دل میں بھڑکتی رہے گی اور وہ آگ بڑھتی چلی جائے گی۔

پس آج دُنیا کا حال دیکھ لیں جتنے بھی افراد ہوں یا جتنی بھی قومیں ہوں دُنیا طلبی میں ان کے اندر ایک بھڑکن لگی ہوئی ہوتی ہے اور جو کبھی بھی کم نہیں ہوتی جتنا مرضی کر لیں یعنی دُنیا کی خاطر جو چاہیں کر گزریں، جتنا ان کو حاصل ہو جائے وہ آگ نہیں کم ہوگی۔ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (ق:31) کی جو جہنم کی آواز ہے وہ ان کے دل سے ہمیشہ اٹھتی رہے گی۔ پس زیادہ سے زیادہ اپنانے کی خواہش افراد میں بھی ہوا کرتی ہے اور قوموں میں بھی ہوا کرتی ہے اور مغرب کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے ان کی مزید طلب کرنے کی آگ مزید سے کم نہیں ہوتی، بجھتی نہیں، بڑھتی چلی جاتی ہے اور جو غریب ممالک ہیں ان کو ملتا تو نہیں مگر آگ ضرور ہے، وہ بیچارے مزید حاصل کرنے کے شوق میں ٹکریں تو بہت مارتے ہیں مگر صرف آگ ہی بھڑکتی ہے مزید حاصل کرنے کی تمنا پوری نہیں ہوتی لیکن یہ تمنا پوری ہو سکتی ہے اگر اللہ سے مزید طلب کیا جائے اور اس کا طریق یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کرو وہ تمہیں زیادہ دے گا۔

جو کچھ عطا کیا ہے اس پر قانع رہو، اسی پر راضی رہو اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گا، اموال میں برکت دے گا، تھوڑے میں بھی مزہ رکھ دے گا۔ زیادہ کا مزہ تو اور بھی زیادہ ہوگا مگر اس میں وہ آگ نہیں جلے گی کہ اگر اور نہ ملا تو ہم کیا کریں گے۔ کیا ہم اسی طرح مزید کی طلب کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ یہ مومنوں والا معاملہ نہیں ہے اور اس کا راز اس بات میں ہے کہ جو تھوڑے پر راضی ہو جائے وہ زیادہ پر راضی کیوں نہیں ہوگا۔ جو تھوڑے پر بھی خوش ہو جائے اسے زیادہ دو گے تو اور بھی خوش ہوگا۔ پس تھوڑے پر راضی ہونا اس بات کا راز ہے کہ آپ کو تسکین قلب نصیب ہو جائے۔ اللہ کی طرف سے جو بھی ملتا ہے اس پر راضی ہو جائیں اور مزید کے لئے کوشش کریں کیونکہ اللہ کہتا ہے کہ کوشش کرو مگر رضا کی طلب کے لئے کوشش نہیں کرنی، اپنے دل کی رضا کی خاطر نہیں، اللہ کی رضا کی خاطر۔ ان دونوں چیزوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ جب آپ اللہ کی عطا میں تھوڑے سے راضی ہو جاتے ہیں تو پھر مزید کی کوشش کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم اور بھی طلب کرو، اور بھی محنت کرو کیونکہ یہ دنیا میں جتنا کاروبار رحیمیت کا ہے اللہ نے درحقیقت مومن بندوں کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ جب وہ طلب کرتے ہیں تو اپنی رضا چاہتے ہوئے نہیں، اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اور ان معنوں میں اللہ کی رضا ہی ان کی رضا بن جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جو مضمون بیان فرمایا ہے شکر کا اور تبتّل کا اس تعلق میں میں نے اب بعض احادیث بھی چنی ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں ان میں یہی مضمون، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مضمون اس طرح بیان ہوا ہے کہ ہمیں دکھائی دینے لگتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہاں سے لیا تھا۔ اب یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات پر میں غور کرتا ہوں تو اس سے ملتی جلتی حدیثیں یاد آتی ہیں اور جب حدیثوں کو غور سے پڑھوں تو صاف سمجھ آ جاتی ہے کہ یہ منبع تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکمت کا اور وہ حدیثیں پڑھیں تو قرآن ان کا منبع نظر آتا ہے غرض یہ کہ سلسلہ وار بندوں سے بات شروع ہو کے خدا تک جا پہنچتی ہے۔ اب اس میں دیکھیں الزُّھْد وَالرَّقَائِق کے باب میں جو مسلم نے روایت پیش کی ہے اس میں حضرت رسول کریم ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

’’مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کا معاملہ سارے کا سارا ہی خیر پر مبنی ہے۔‘‘

عجیب ہے مومن اس میں شر کا کوئی بھی پہلو نہیں یا اس کی زندگی میں کسی تکلیف کا کوئی پہلو نظر ہی نہیں آتا۔

’’اور یہ خصوصیت مومن کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔ جب اسے آزمائش پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے۔‘‘

اب دیکھ لیں شکر تو ہوتا ہی دل کے اطمینان پر ہے لیکن جب کسی کو ابتلا میں ڈالا جائے تو وہ شکر کرتا ہے۔ کیسے شکر کر سکتا ہے اس وقت، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ میرے اللہ نے مجھے اس قابل سمجھا ہے کہ میری محبت کا امتحان لے۔ اور اس کے شکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف زبان سے ہی شکر نہیں کرتا بلکہ عملاً اس امتحان میں پورا اُتر کر شکر ادا کرتا ہے۔ تو تکلیفیں اور مصیبتیں اور دُنیا کے کئی قسم کے ابتلا کسی مومن کو کوئی گہرا دکھ ان معنوں میں نہیں پہنچا سکتے کہ اس کی زندگی عذاب بن جائے اور محض ایک اضطراب ہو جائے۔ جب بھی توجہ اس طرف رہے گی کہ خدا نے یہ سب کچھ دیا تھا، اسی کی چیز ہے اسی نے آزمایا ہے اور مجھے آزمائش کے قابل سمجھا ہے۔ اب یہ مضمون بھی شکر کا مضمون خصوصاً طلبہ کو سمجھ آ سکتا ہے۔ بعض طلبہ کو جو نکمے ہوں امتحان میں بیٹھنے ہی نہیں دیا جاتا اور جب بیٹھنے کے لئے فہرست میں نام آجائے طالب علم کا تو خوشی سے اچھلتا کودتا ہے کہ بلا لیا ہے ہمیں۔ یہی مضمون نوکریاں تلاش کرنے والوں پر بھی اطلاق پاتا ہے جب وہ انٹرویو کے لئے جگہ جگہ دھکے کھاتے اور درخواستیں دیتے پھرتے ہیں تو ان کو جب ٹیسٹ کے لئے بلایا جاتا ہے یہ ابتلا ہے، امتحان کے لئے بلایا جاتا ہے تو خوشی سے اچھلتے ہیں کہ دیکھو جی ہمارے نام چٹھی آ گئی ہے کہ آ کے امتحان دو۔ کامیابی کی بات ہی کوئی نہیں ہو رہی صرف امتحان کی بات ہے لیکن اُمید ہے کہ اس امتحان کے نتیجہ میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تو جو دل میں ایک طمع لگی ہوئی ہے اور ایک اُمید پر بھروسہ ہے کہ ہم شاید کامیاب ہو جائیں۔ اس کی خوشی ہے جس میں وہ اچھلتا ہے۔ تو جب مومن کو اللہ تعالیٰ کسی امتحان میں مبتلا کرتا ہے تو یہ خوشی ہے جو امتحان کا دور اس پر آسان کر دیتی ہے۔ اور دوسرے یہ بھی بات یاد رکھیں کہ امتحان کے لئے بلانے والا یہ ضرور دیکھتا ہے کہ امتحان میں شامل ہونے کے قابل ضرور ہے اگر قابل نہ ہو تو اسے نہیں بلایا جاتا۔ تو مومن یہ سمجھتا ہے کہ میرے مولیٰ نے مجھے قابل سمجھا ہے اور جب خدا قابل سمجھتا ہے تو کتنا ہی تلخ امتحان ہو اس پر پورا اُترنا چاہئے۔ اگر اللہ قابل سمجھے اور آپ امتحان کا واویلا

شروع کر دیں تو خدا نے جو آپ پر اعتماد کیا تھا اس کو ٹھکرا دیا، اس کو رڈ کر دیا۔ تو یہ ناکامی ہے جو مومن کے حصّہ میں نہیں آتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مضمون کو بیان فرما رہے ہیں کہ یہ مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی کہ اس کا ابتلا بھی اس کے لئے خیر ہو جائے۔

''جب اسے آزمائش پہنچتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے تو یہ شکر اس کے لئے خیر کا موجب بن جاتا ہے اور اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے لئے اچھا ہو جاتا ہے۔''

(صحیح مسلم، کتاب الزھد و الرقائق، باب المؤمن امرہ کلہ خیر، حدیث نمبر: 7500)

اب یہ جو شکر کا پہلا معنی تھا اس پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ آزمائش میں کامیابی پر تو شکر ہونا ہی ہے مگر آزمائش ایسی ہو جائے کہ ایک مستقل روگ دل میں لگ جائے مثلاً بعض ماؤں کے نوجوان بیٹے گزر جاتے ہیں، بعض ماں باپ کے اکلوتے بیٹے نکل جاتے ہیں ہاتھ سے، کئی قسم کے حادثات درپیش ہوتے ہیں۔ ان پر پہلے معنوں میں شکر کرنا بہت مشکل کام ہے۔ کبھی آپ کسی ایسے ماں باپ کو نہیں دیکھیں گے الحمدللہ، اللہ نے ہمیں اس آزمائش کے قابل سمجھا۔ یہ اگر کوئی کہے تو جھوٹ ہے۔ ایسے لوگ دُنیا میں دکھائی نہیں دے سکتے، مومن بھی ہوں تو نہیں دکھائی دیتے مگر اس مضمون پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکر کے ساتھ صبر کا پلّو باندھ دیا ہے مومن شاکر بھی ہے اس لئے وہ آزمائشیں جن میں اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کرتا رہتا ہے اس پر وہ شکر ادا کرتا ہے چھلانگیں مارتا ہے لیکن جن آزمائشوں کی تلخی اس کی طاقت سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے ان میں وہ صبر کرتا ہے اور صبر میں ایک قسم کی طمانیت و ثبات داخل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ خدا نے مجھ پر یہ آزمائش ڈالی تھی اور مجھ سے یہ توقع ہے کہ میں اُس کی رضا کی خاطر اسے برداشت کرلوں اور جب وہ صبر کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں دعا بھی لازم ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ صبر جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن کے حوالے سے کر رہے ہیں وہ بغیر دعا کے نصیب ہو سکے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اسی مضمون کو وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ (البقرۃ:46) کہہ کر بیان فرمایا ہے۔ صبر خدا سے مانگے بغیر نصیب ہو ہی نہیں سکتا۔ کہنے میں تو ہو جاتا ہے مگر کرنے میں بہت مشکل ہے۔ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ۔ پس ان آزمائشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس دُنیا میں ہی ان کے لئے آزمائشوں سے پہلے تیاری شروع کر دو۔

اسْتَعِيْنُوْا صبر سے پہلے ہے۔ پیشتر اس کے کہ انسان پر کچھ ابتلا آئیں خواہ وہ انفرادی ہوں یا جماعتی ہوں انسان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کرتا چلا جائے کہ اے اللہ! جب بھی آزمائش ہو ہمیں صبر ضرور دینا اور یہ صبر صلوٰۃ کے بغیر حقیقت میں پوری طرح ممکن نہیں ہوسکتا کیونکہ صبر کے ساتھ صلوٰۃ اس صبر کو تقویت دینے والی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ جب کوئی گہرا غم پڑا تو فوراً میں عبادت کے لئے کھڑا ہو گیا۔ یہ وہی مضمون ہے کیونکہ سچا صبر عبادت کے ذریعہ نصیب ہوسکتا ہے۔ عبادت میں انسان اللہ کے قریب آجاتا ہے اور جتنا اللہ سے قریب آجائے دُنیا کی بے ثباتی اس پر ظاہر ہوتی چلی جاتی ہے۔ نماز میں انسان محسوس کرتا ہے کہ میرا اعلیٰ مقصد تو پیدائش کا یہی تھا کہ میں اللہ کے پاس رہوں، اس کی دی ہوئی چیزیں اگر ہاتھ سے چلی گئیں تو اسی سے میں صبر مانگتا ہوں، اسی سے استعانت طلب کرتا ہوں۔ پس اس پہلو سے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کا مضمون ہے جو آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اس کا ذکر کئے بغیر بیان فرما دیا ہے لیکن مضمون سے ظاہر ہے کہ مومن کو کسی طرح کا بھی شر نہیں پہنچتا، خیر ہی خیر ہے جو کچھ اس پر گزر جائے ہر حال میں اس پر خیر ہے اور کافر پر جو بھی گزر جائے ہر حال میں اس کا نقصان ہے۔ مل جائے تو تب نقصان، نہ ملے تو تب نقصان، ایک مستقل جہنم میں وہ زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث اسی تعلق میں یعنی شکر کے مفہوم کو زیادہ واضح کرنے کی خاطر اختیار کی ہے۔ سنن ابی داؤد کِتَاب الْأَدَبِ. بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ۔ یاد رکھیں کہ احادیث میں جو اس قسم کی احادیث ہیں جن میں عرفان باری تعالیٰ کا ذکر ہے ان احادیث میں راوی کمزور بھی ہوں تو سچے ہوتے ہیں کیونکہ کمزور راوی ایسی اعلیٰ عارفانہ احادیث بنا ہی نہیں سکتا۔ اپنے مطلب کی حدیثیں، اپنے عقائد کی تائید میں احادیث تو کثرت کے ساتھ مختلف فرقوں نے گھڑ رکھی ہیں یا گھڑی نہیں تو ان کے معنی اپنی مرضی کے کرتے ہیں اور انہیں مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں مگر جو عرفان باللہ کی باتیں ہیں یہ احادیث جھوٹے راوی بیان نہیں کر سکتے اس لئے بہت زیادہ اس میں اُس تردّد کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں ہمیشہ چھان بین اس وقت کیا کرتا ہوں جہاں مضمون کسی کے مطلب کا ہو اور خطرہ ہو کہ اس نے اپنے مطلب کی خاطر حدیث کو اختیار کیا ہے یا حدیث وضع کر لی ہے لیکن جہاں عرفان باللہ کی باتیں

ہوں وہاں کسی تردّد کی ضرورت نہیں۔ اگر راوی جھوٹا بھی ہو، فرض کریں وہ حدیث نہ بھی ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ نہ ہو مگر فرض کریں نہ بھی ہو، مضمون اچھا ہے تو پھر تکلیف کیا ہے، نقصان کیا ہے ہمیں۔ کسی کی طرفداری مقصود نہیں ہے مضمون ایسا ہے جس میں اللہ سے ملنے کی باتیں ہیں تو ''اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ۔'' (سنن الترمذی، کتاب العلم عن رسول اللہ، باب ماجاء فی فضل الفقہ۔۔، حدیث نمبر: 2687) یہ حکمت کی بات جہاں سے ملے گی اس کو اخذ کر لیں تو پھر رسول اللہ ﷺ سے کیوں نہ لیں۔ غیر اللہ کے پاس کیوں جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے منہ کی باتیں مان جائیں کہ آپ ﷺ ہی نے فرمائی ہونگی اور یہی حکمت کی بات ہے جسے آپ جہاں بھی ملے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ پس اس ضمنی بیان کے بعد میں حدیث کے الفاظ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ حضرت عبداللہؓ بن غنّام البیاضی بیان کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص صبح کے وقت یہ کہے کہ اے اللہ! جو نعمتیں مجھے صبح کے وقت حاصل ہیں یہ محض تیری ہی طرف سے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں۔''

''جو صبح کے وقت حاصل ہیں'' کا ترجمہ شاید پوری طرح بات کو واضح نہیں کرتا میں عربی الفاظ آپ کے سامنے پڑھتا ہوں۔

''مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ جس وقت انسان صبح کر رہا ہو۔''

یعنی رات کے بعد جب باشعور طور پر صبح اٹھ کر سوچتا ہے اور جانتا ہے کہ رات کو خدا تعالیٰ نے مجھے ایک عارضی موت میں سے گزارا ہے مگر دوبارہ زندگی دی جب یہ سوچتے ہوئے اٹھتا ہے تو پچھلی رات کا شکر ادا کر رہا ہے۔ بظاہر یہی ہے نا کہ پچھلی رات کا شکر کر رہا ہے آنے والے دن کا شکر ادا نہیں کر رہا لیکن حضرت رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس نے دن کا شکر ادا کیا۔ اس لئے یہ ایک ایسا پہلو ہے جسے اصل الفاظ پر غور کر کے آپ کو سمجھ آئے گی یعنی ظاہری طور پر تو انسان یہی سمجھتا ہے صبح اٹھ کر اس نے شکر کیا کہ اچھا میں جاگ گیا، رات مر نہیں گیا تو یہ رات کا شکر ہے نا مگر رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ایسا شخص جو اس حال میں صبح کرتا ہے وہ آنے والے دن کا، وہ دن جو چڑھ گیا ہے اس کا گویا پیشگی شکر ادا کر رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب پیشگی شکر ادا کرے گا تو سارا دن اس شکر کا حق ادا کرے گا۔ الفاظ اب یہ ہیں:

''اَللّٰھُمَّ مَا أَصْبَحَ بِی مِنْ نِعْمَۃٍ فَمِنْکَ۔''

وہ اپنے سرمائے پر غور کرتا ہے سارا دن جو اس نے سفر کرنا ہے کوئی زادِ راہ بھی تو چاہئے۔ وہ کہتا ہے اَللّٰھُمَّ مَا أَصْبَحَ بِی مِنْ نِعْمَۃٍ: جو نعمت بھی مجھے عطا ہوئی ہے جس نعمت کے ساتھ میں صبح کر رہا ہوں فَمِنْکَ وہ تیری طرف سے ہے۔

''وَحْدَکَ: اور کسی کی طرف سے نہیں۔لَا شَرِیکَ لَکَ: تیرا کوئی شریک نہیں۔ فَلَکَ الْحَمْدُ، وَلَکَ الشُّکْرُ: پس کامل حمد اور سچی حمد سب تعریف تیرے ہی لئے ہے۔ وَلَکَ الشُّکْرُ: اور شکر بھی تیرے ہی لئے ہے۔ جب وہ یہ کہتا ہے۔فرمایا: فَقَدْ أَدَّی شُکْرَ یَوْمِہِ جب وہ کہتا ہے تو وہ دن جو چڑھا ہے جو اس کے سامنے پڑا ہوا ہے اس سارے دن کے شکر کا حق ادا کر دیا۔''

وہ یہ سوچتے ہوئے جب آگے بڑھتا ہے تو اس دن جو کچھ بھی اس کو نصیب ہوگا وہ شکر اور حمد ہی میں تو گزرے گا۔ کوئی ایسا ابتلا اس کو پیش آ ہی نہیں سکتا جس پہ شکر اور حمد سے اس کا ہاتھ الگ ہو جائے۔ شکر و حمد کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ تو دراصل پہلی ہی حدیث جو پہلے پڑھ کے سنائی گئی تھی اسی کے مفہوم کو ایک اور بیان سے واضح فرمایا جا رہا ہے اور یہ باتیں ہیں جو ایسی عارف باللہ کی باتیں ہیں جس کو کوئی جھوٹا راوی گھڑ سکتا ہی نہیں ورنہ جو پہلی بات میں نے کہی تھی اسی لئے کہی تھی کہ آپ کو سمجھ آ جائے کہ عام انسان جو بنانے والا ہے وہ صبح کے وقت یہی کہے گا کہ میں نے رات کا شکر ادا کر دیا ہے رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا آنے والے دن کا شکر ادا کر رہا ہے۔

''وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ حِینَ یُمْسِی فَقَدْ أَدَّی شُکْرَ لَیْلَتِہِ۔''

(سنن أبي داؤد، کتاب الادب، باب ما یقول أذا اصبح، حدیث نمبر: 5073)

اور جو شخص بھی اسی قسم کی بات کہے اس وقت جب وہ شام کر رہا ہو، جب دن گزر جائے اور رات سامنے پڑی ہو اس وقت وہ یہی باتیں اپنی آنے والی رات کے متعلق کہے۔ وہ کہے اے اللہ! میں رات کر رہا ہوں تیری نعمت کے ساتھ صرف تیری نعمت کے ساتھ اور کسی نعمت کے ساتھ میں رات نہیں کر رہا۔لَا شَرِیکَ لَکَ: تیرا کوئی شریک نہیں۔ فَلَکَ الْحَمْدُ: تمام حمد تیرے لئے ہے وَلَکَ الشُّکْرُ:

اور تیرے ہی لئے شکر ہے فَقَدْ أَدَّى شُكْرَ لَيْلَتِهِ۔ اب لیلۃ کا شکر ادا کرنا، اس رات کا شکر ادا کرنا تہجد کو چاہتا ہے، نمازوں کو چاہتا ہے، خدا کے حضور کھڑے ہونے کو چاہتا ہے ورنہ اس کی یہ بات ہی جھوٹی نکلے گی۔ کہہ تو رہا ہے کہ اے خدا! میں رات کرنے لگا ہوں اور جانتے ہوئے کہ اس ساری رات میں مجھے تیرا شکر اور حمد کرنی ہے کیونکہ جو کچھ بھی رات کو تو مجھے عطا کرتا ہے وہ باعث شکر ہے اور باعث حمد ہے اور آنحضرت ﷺ کے تعلق میں رات کو جو رسول اللہ ﷺ سے وعدے دئے گئے اور جو ادا کیا گیا وہ مقام محمود ہے۔ ایسا مقام جو ہمیشہ تعریف کیا جائے گا اور تعریف کے قابل رہے گا جس مقام پہ بھی رسول اللہ ﷺ ترقی کر جائیں وہ محمود ہی رہے گا۔ کوئی ایسا مقام نہیں آئے گا جس میں بندوں کی تعریف کی ضرورت ہو۔ جب اللہ ہر مقام کی تعریف کر رہا ہے تو انسان بندوں سے بالاتر ہوتا چلا جاتا ہے اور جتنا بھی اونچا جائے گا وہ مقام محمود ہی ہوگا۔ یہ وہ مقام محمود تھا جس کا آنحضرت ﷺ شکر ادا کیا کرتے تھے۔ اتنا اس احساس سے آپ ﷺ کا دل جھک جایا کرتا تھا کہ بعض دفعہ ساری ساری رات شکر ادا کرتے گزر جاتی اور حمد کے گیت گاتے ہوئے۔ اب ایسا مومن جو رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح جس حد تک اس کو توفیق ہے رات کو اٹھ کر شکر الٰہی کرے اور اس کا ذکر کرے۔ اس کو ساری دُنیا کا کوئی غم چاٹ کیسے سکتا ہے۔ ناممکن ہے۔ تو یہ وہ مومن ہیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی تو موجیں ہی موجیں ہیں، خیر ہی خیر ہے، جو بھی وہ کرے گا اس کی بھلائی اسی میں ہوگی۔

پس جماعت احمدیہ عالمگیر کو اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے ہمارے لئے طرح طرح کی آزمائشیں بھی ہیں اور بعض دفعہ وہ آزمائشیں لوگوں کے دلوں پر بڑی بھاری گزرتی ہیں اور بلّا اٹھتے ہیں خواہ مخواہ۔ اب مثلاً ربوہ کا نام بدلنے کا واقعہ آپ کے سامنے آیا ہے۔ میرے دل میں ذرا بھی اضطراب نہیں ہوا۔ وہ گھبرا گھبرا کے جو مجھے وہاں سے لوگ لکھتے ہیں ہمارے بزرگ، ذمہ دار افراد اور بڑے بڑے وکلاء وغیرہ کہ اب کیا کریں، اب کیا ہو جائے گا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ ان کو ہوا کیا ہے۔ جب انہوں نے آپ کا اپنا نام بدلا دیا تھا تو کیا ہو گیا تھا؟ اس سے زیادہ کسی اور نام کی تبدیلی میں کیا اہمیت ہے۔ آپ کو تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ان کے دلوں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ کوشش کہ نام بدلا کے دل کی آگ ٹھنڈا کریں، یہ کوشش ظاہر کر رہی ہے کہ بھڑکن کم نہیں ہو رہی جو مرضی

کرلیں آگ بھڑکتی چلی جا رہی ہے اور یہ جھوٹا دھوکا دے رہے ہیں دنیا کو کہ الْحَمْدُلِلّٰہ بہت بڑا واقعہ ہو گیا۔ آج ہم نے فتح حاصل کی ہے احمدیت پر کہ ربوہ کے شہر کا نام بدل دیا ہے۔ یہ بھی کوئی فتح ہے۔ جب ان کا نام بدل دیا تھا تمہیں کیا نصیب ہوا تھا۔ یہی کہ پچھلے سال تم نے سنا تھا کہ ایک سال میں پچاس لاکھ سے زائد احمدی ہو گئے۔ نام بدلنے کا یہ نتیجہ نکلا تھا یا کچھ اور تھا۔ اب بھی نام بدل کر دیکھ لو پچاس کو اللہ چاہے تو کروڑ کر دے گا پھر تم کیا کرو گے، پھر کہاں جاؤ گے۔ تو جماعت احمدیہ تو مٹنے والی جماعت ہی نہیں، تمہارے بس کی بات نہیں ہے پاؤں تلے تم ہی روندے جاؤ گے اور تمہاری اُمیدیں ہی روندی جائیں گی۔ ہر گھڑی اللہ تعالیٰ جماعت کو کامیاب سے کامیاب تر کرتا چلا جائے گا اور ایک مقام محمود سے دوسرے مقام محمود کی طرف بڑھاتا چلا جائے گا مگر یاد رکھیں کہ اس کی عبودیت کا، اس کے شکر کا حق ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔